فسانۂ کثرتِ ازدواجِ امام حسنؑ

مفکر اسلام مولانا ڈاکٹر کلب صادق صاحب قبلہ

۴۰ھ میں معاویہ اور امام حسنؑ کے درمیان صلح ہوئی ان شرطوں پر جن کی پابندی امیر شام کو نہیں کرنا تھی بلکہ جو خود امیر شام کی مرضی کی پابند تھیں اور اس کے بعد ہی وراثت محمدؐ ابوسفیان اور ہندہ (جگر خوارہ) کے وارث کے ہاتھ میں مکمل طریقہ سے آ گئی۔ اب وہ دور آ چکا تھا جب مسلمانوں کی سادگی اور آخرت پسندی دھیرے دھیرے ظاہری جاہ و حشم اور دنیا پرستی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ عربوں نے لات و ہبل، منات و عزیٰ کی پرستش بیشک چھوڑ دی تھی مگر ان کی اکثریت لکشمی کی پوجا کی عادی ہو چکی تھی۔ بت کدے ڈھائے جا چکے تھے مگر من کے مندر میں دولت کی دیوی سجائی جا چکی تھیں۔

رسولؐ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے پاس تھا ہی کیا جو چھوڑتے، لے دے کے ایک فدک تھا، وہ بھی اپنی اکلوتی بیٹی کو اپنی زندگی میں ہی ہبہ کر کے ہاتھ جھاڑ چکے تھے، دنیا سے گئے تو انتہائی بے قیمت فرش پر جنازہ تھا، ٹوٹا پھوٹا مکان تھا، ترکے میں خزانے ضرور چھوڑے تھے مگر زر و جواہر کے نہیں، علم، اخلاق، شرافت، انسانیت اور عشق معبود کے۔

مگر اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا، سرحدوں پر جنگیں چھیڑ دی گئیں جو ہمیشہ اس وقت ہوتا ہے جب داخلی مسائل سے لوگوں کی توجہ ہٹانا ہوتی ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد جو حالات رونما ہوئے اور ہزاروں برس کی الٰہی سنت میں غیر قانونی ترمیم کر کے جس طرح اہل بیتؑ کا حق چھین لیا گیا اس سے اچھے خاصے لوگوں کے دلوں میں بے چینی کی لہر ضرور پیدا ہوئی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ سرکاری سرپرستی میں تصنیف ہونے والی تاریخ ان لہروں کو کب۔۔۔ ریکارڈ کر سکتی تھی لیکن دلوں میں پیدا ہونے والی یہ لہریں جو کبھی طوفان بن سکتی تھیں انہیں کو دبانے کے لئے مسلمانوں کو سرحدوں کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ داخلی معاملات، بیرونی خطرات کے ادوار میں ہمیشہ ہی نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں اور پھر فتوحات شروع ہوئے تو روم و ایران کی دولت کی وہ ریل پیل ہوئی کہ عشرہ مبشرہ میں ہی سے کم از کم ۹ رکو تو دنیا ہی میں جنت حاصل ہو گئی۔ ۱۱ھ میں جو صحابہ کرام نان شبینہ کو محتاج تھے یہی صحابہ کرام جب کچھ برس بعد یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھنا شروع ہوئے تو زائد نہیں صرف یہ ترکے چھوڑے تھے۔

حضرت عثمان:۔ ساڑھے تین کروڑ درہم، ایک لاکھ پچاس ہزار دینار، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار غلام اور سنگ مرمر کا بنا ایک شاندار محل۔

حضرت زبیر بن عوام:۔ پچاس لاکھ دینار کی جائداد، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار غلام۔

حضرت طلحہ:۔ ایک شاندار پیلیس، جائداد جس سے ایک ہزار دینار روزانہ کی آمدنی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عوف:۔ زبردست جائداد غیر منقولہ کے علاوہ سو گھوڑے، ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار دنبہ۔ مگر جو وارث رسولؐ تھا اس نے دولت کی اس ریل پیل میں بھی جو کچھ چھوڑا تھا وہ اس کے فرزند حسنؑ کی زبانی سنیئے۔

میرا باپ دنیا سے یوں اٹھا کہ نہ اس نے ترکہ میں سونا

چھوڑا نہ چاندی، صرف چند درہم چھوڑے ہیں۔

دولت کی اس بہتات نے مکہ مدینہ والوں کو کیسا بنا دیا تھا، اسے تاریخ میں پڑھنے کی ضرورت نہیں، آپ آج بھی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ حج کے لئے سعودی عرب جایئے اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیجئے۔ بس جیسے یہ آج ہیں ایسے ہی اس وقت تھے۔ ضریح رسولؐ گوا گر آپ نے بوسہ دینے کا ارادہ کیا تو آپ کتنے ہی محترم کیوں نہ ہوں، دو ٹکے کا سعودی جاہل بدتمیز سپاہی آپ کو گالیاں دے دے کر دانت پیس پیس کر مارنا شروع کر دے گا۔ اب کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا، جایئے اور جا کر یہ منظر خود دیکھ لیجئے، یہ اپنے پشت کے تمام حصوں کو گستاخی سے حضور کے روضہ کی جالی سے رگڑتا رہتا ہے اور دنیا کے کونے کونے سے عشق رسولؐ میں آنے والے فدائیوں کو حضورؐ کی ضریح کے قریب آنے سے روکتا رہتا ہے۔ کیا قدر ہے رسولؐ کی۔ ذلیل، گندے، بدکردار سعودی سپاہی کا حضورؐ کی مقدس محترم اور پاک جالی سے اپنے کولہے رگڑنا سنت ہے اور باوضو، طاہر اور پر از عقیدت و اخلاص لبوں سے اسی جالی کا بوسہ لینا بدعت و شرک ہے۔

لیکن گھبرایئے نہیں، پریشان نہ ہویئے۔ آپ حضورؐ کی ضریح انور کا بوسہ لینا چاہتے ہیں؟ آیئے میں آپ کو ترکیب بتائے دیتا ہوں۔ ذرا کان قریب لایئے، بات چپکے کی ہے۔ اس ہزاروں ریال ماہانہ تنخواہ پانے والے سپاہی کی جیب میں چپکے سے زائد نہیں بس ایک ریال کا سکہ ڈال دیجئے۔ اس دانت پیستی، سونٹے مارتی، گالیاں بکتی ''مشین'' میں آپ کا سکہ پڑا اور اس نے کھٹ سے دوسری طرف منہ موڑا۔ ایک ریال کے بدلے اس مشین کا منہ آپ کی طرف سے آدھے منٹ کے لئے مڑا رہے گا، آپ ضریح کو اطمینان سے بوسہ دیتے رہئے۔ وقت ختم ہونے لگے تو ایک ریال اور ڈال دیجئے، ہر آدھے منٹ کے لئے ایک ریال کے حساب سے ریال ڈالتے جایئے اور اپنا کام چلاتے جایئے۔

کیوں بھائی کیا ہے کسی مائی کے لال میں دم کہ مکہ و مدینہ میں اذان میں اشھد ان علیاً ولی اللہ کہہ سکے۔ آپ اسے سوچ بھی نہیں سکتے۔ جی نہیں! آپ کہہ سکتے ہیں اور میگا فون (چھوٹے لاؤڈ سپیکر) پر کہہ سکتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ان سرد ایمانوں کی جیبوں کو گرم کر دیں ۱۹۷۶ء میں غریب بھی حج کے لئے گیا تھا۔۔۔ آیۃ اللہ العظمی محمد رضا گلپایگانی مدظلہ (قم، ایران) مجھ سے مثل پدر محبت فرماتے ہیں۔ آیۃ اللہ گلپایگانی مدظلہ کا وفد آیۃ اللہ موصوف کے فرزند سعید شہید مہدی گلپایگانی (مرحوم) کی زیر سرکردگی سعودی عرب آیا ہوا تھا۔ اسی وفد نے مجھے اپنا مہمان بنا لیا۔

پانچ ستارہ ہوٹل (Five Star Hotel) فندق الخوقیہ پارہ کی بارہ منزلیں، منہ مانگے دام دے کر ایرانی اپنے قبضہ میں کر چکے تھے۔ چھٹی منزل کے تین سویٹوں میں گلپایگانی وفد کا قیام تھا۔ ان تین کمروں کا بارہ دن کا کرایہ ایک لاکھ تیس ہزار ریال (تقریباً ۵ لاکھ روپیہ) ادا کیا گیا تھا۔ یہ بارہ منزلہ ہوٹل اثنا عشریوں کے قبضہ میں تھا۔ ہر منزل پر میگا فون لگا دیے گئے تھے اور جن سے ہر وقت اشھد ان ولی اللہ کی آواز گونجا کرتی تھی۔

آپ سوچ بھی سکتے ہیں کہ سعودی عرب، مکہ میں، مسجد الحرام میں، کعبہ کے پہلو میں ۱۸ر ذی الحجہ کو جشن غدیر منایا جائے اور وہ بھی زبردست مجمع کے ساتھ، قصیدے پڑھے جائیں، صدائے درود و صلوات بلند ہوں؟ آپ کہیں گے کہاں کی باتیں کرتے ہیں؟ بے شک عام حالات میں کعبہ کے نزدیک آپ مولود کعبہ کا نام بھی نہیں لے سکتے۔ جان بچانا مشکل ہو جائے گی لیکن یہ بدعت، یہ شرک بھی آپ آسانی سے کر سکتے ہیں، سوال وہی ہے، جیب میں پیسوں کا۔ حرم کے پاسبانوں کی جیب بھر دیجئے پھر ٹھاٹ سے محفل کیجئے اور جو چاہئے وہ پڑھئے، حرم کے یہ پاسبان آپ کی محفل کے پاسبان بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور کسی معترض کو ادھر سے گزرنے بھی نہ دیں گے۔ ۱۹۷۶ء

کے حج کے دوران مجھے ایرانیوں کے زیرانتظام ایسی محفل میں شرکت کی سعادت حاصل ہوچکی ہے۔

حالت یہ ہے سعودیوں کی کہ ان کا نہ کوئی دین ہے نہ مذہب۔ اگر ہے بھی کچھ تو یہ کہ عیاشی ان کا دین، مکاری ان کا ایمان، بدکاریاں ان کی عبادت اور پیسہ ان کا خدا۔ یہی عالم مکہ کا ہے یہی مدینہ کا۔ اگر مذہب کی نمائش بھی ہے تو مذہب کے نام پر کچھ دینے کے لئے نہیں، مذہبی استحصال (Religious Expliotation) کے ذریعہ دوسروں کو لوٹ لینے کے لئے۔

پھر دولت کی اس زبردست لالچ کی وجہ سے تقسیم دولت بدلی ہے۔ ابوجہل وابوسفیان، وابولہب کے وارثوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے خرچ کیونکر کریں۔ مگر مدینہ کے محلہ نخادلہ کے سادات کے مقدر میں دولت کی اس ریل پیل میں بھی فاقے ہیں۔

دولت انسان کو اندھا بہرا بنادیتی ہے اور جسے اندھا بہرا نہیں بناتی اس کی زبان پر فالج تو گرا ہی دیتی ہے۔ یہ آفاقی اصول ہے۔ صدر اول کے مسلمان بھی اس اصول کی زد میں آنے سے اپنے کو بچا نہ سکے۔ ہوشیار سیاست داں جانتے تھے کہ ان بوریا نشینوں کو زربفت کے قالینوں پر بٹھادو، ان بے گھروں، بے دروں کو محلوں اور قصروں کا مکین بنادو، ایمان نے ان کو بصیرت دی ہے، دولت سے ان کو اندھا بنادو۔ ظاہر ہے کہ ان کو سب کچھ مل جائے گا تو یہ پلٹ کر بھی نہ دیکھیں گے کہ کس سے کیا چھن گیا۔ اور پھر تاریخ میں کردار کے محافظوں کا ذکر نہ ہوگا، جس کی کھائیں گے اسی کی گائیں گے، انہی کے قصیدے پڑھے جائیں گے۔

اہل بیتؑ کا حق چھنا تو اکثر دلوں میں کسک پیدا ہوتی تھی مگر پھر دولت کی اس پوجا نے دھیرے دھیرے اس کسک کو بھی لوگوں کے دلوں سے نابود کردیا اور مسلمان پوری وفاداری کے ساتھ حق نمک ادا کرنے میں مصروف ہوگئے۔

انسان جس کی کھاتا ہے اسی کی گاتا ہے اس لئے اولیان نعمت اور حاکمان سلطنت کی طرف سے کہی ہوئی ہر بات پر آمنا وصدقنا لوگوں کا شعار بن گیا ہے اور جب بات یہاں تک آگئی اور تیار ہوگئی مارکیٹ تو کھل گئیں فیکٹریاں حدیث سازی اور روایات سازی اور تاریخ سازی کی اور پھر وارثان آیۂ تطہیر پر گند اچھالنے کی اور دروغ کو فروغ دینے کی وہ مہم چل گئی کہ ہٹلر کی روح شرما جائے۔ جھوٹ کیسے پھول گیا اور تاریخ کتنی تاریک ہوگئی اس کا اندازہ آپ اس بات سے کرسکتے ہیں جب ۱۹ رمضان سن چالیس ہجری کو مسجد کوفہ میں علیؑ کے سر پر ضربت لگی اور اس کی اطلاع شام پہنچی تو شام والوں کو ضربت لگنے پر حیرت نہ تھی، حیرت تھی اس بات پر، اور ایک دوسرے سے سوال کرر ہا تھا یہ کہ ''اس کا مطلب ہے کہ علیؑ مسجد جاتے تھے'' علیؑ نماز پڑھتے تھے۔ ''لقد جئتم شيئاً إدّاً۔''

جس ماحول میں علیؑ ایسے فراخ عبادت کو بے نمازی مشہور کردیا جائے اور لوگ یقین کرلیں، وہاں (نعوذ باللہ) حسنؑ کی عیاشی کی داستانیں مشہور کردی جائیں اور یہ داستانیں سرکاری سرپرستی میں لکھی جانے والی تاریخ کا جز بن جائیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

بہرحال وہ دور گیا اور خدا کرے اب کبھی پلٹ کر نہ آئے ایک زمانہ تھا جب سرکاری سرپرستی میں ''تصنیف'' کی جانے والی تاریخ ہی سب کچھ سمجھی جاتی تھی۔ اب سرکار کا دور گیا اب عوام کا دور ہے۔ اب سرکاری سرپرستی میں تحریر کی جانے والی تاریخ ہی سب سے زائد غیر معتبر تاریخ سمجھی جاتی ہے۔ انگریزوں کے جانے کے بعد انگریزوں کی سرپرستی میں لکھی جانے والی تاریخ کا آزادی کے بعد از سرنو جائزہ لیا جانا اور اس کو دوبارہ تحریر کرنا۔ کانگریس حکومت کے دور اول میں ٹائم کیپل کا اس میں دفتر کیا جانا اور پھر جنتا کے دور حکومت میں اس کو نکلوا کر اس میں تبدیلیاں کیا جانا اور دنیا کے ہر ملک میں انقلاب کا آجانا اس بات کے شواہد ہیں کہ حکومت کی سرپرستی میں لکھی جانے والی تاریخ نہ آزاد ہوتی ہے نہ منصفانہ بلکہ ان کا

مقصد کانٹ چھانٹ حذف واضافات کے ساتھ واقعات کو ایسے سیاق و سباق میں پیش کرنا ہوتا ہے کہ حکومت کا کام روشن۔۔۔۔اور حکومت کے مخالف بدنام ہوں، مگر یہ سب آج کے دور میں ہوتا ہے جب انسانی ضمیر بیدار ہو چکا ہے، عقل ودستور کی حکمرانی ہے۔ اموی دور کے مطابق جو اونٹ اور اونٹنی۔۔۔کے واضح فرق کو نہ دیکھ سکتے ہوں، حق و باطل کے باریک خط امتیاز کو کیا دیکھ سکتے ہوں گے۔

بہرحال اب تو نہ اموی حکومت ہے، نہ عباسی دور۔ کاش اب تو مسلمان بیٹھ جائیں سر جوڑ کر اسلام کی صحیح تاریخ لکھنے کے لئے۔ مگر کیا اسلاف پرستی ہے کہ ان کی لکھی ہوئی تاریخ کو دھکا نہ لگے، خواہ دامان رسولؐ معاذ اللہ داغدار ہو جائے یا خود اسلام ہی بدنام ہو جائے۔

اسی حقیقت کو مشہور مورخ جے اے کونڈے نے کمال وضاحت کے ساتھ اپنی تاریخ ہسٹری آف ڈومنین آف دی عرب ان اسپین کے جلد ایک صفحہ ایک پر بیان کیا ہے۔ رومن اور یونانی وغیرہ تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے جو کچھ اس نے کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ فاتحین اور امراء کے ساتھ ہمیشہ ایک گروہ خوشامدیوں کا پیدا ہو جایا کرتا ہے جو تاریخ کو ایسے انداز میں تحریر کرتا ہے جس سے اسے حکومت کی خوشنودی حاصل ہو۔ یہ مورخین حقائق کو مسخ کر کے تاریخ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ اس کے بعد کہتا ہے۔

اس بناء پر حق وانصاف کا تقاضہ ہے کہ ہم یک طرفہ بیان واقعات کو کبھی کافی نہ سمجھیں۔ ہماری ذمہ داری قرار پاتی ہے کہ ہم دونوں مخالف گروہوں کے واقعات کو کمالِ غیر جانبداری کے ساتھ دیکھیں اور ان کو اس طرح بیان کریں کہ صرف اور صرف حقیقت روشن ہو جائے۔

بہرحال اب روایت پرستی کا زمانہ نہیں اب روایات کو درایت کی درانتی سے کاٹا چھانٹا جاتا ہے۔

آیئے ذرا امام حسنؑ کے کثرت ازواج کے افسانہ کو درایت کی کسوٹی پر کسا جائے۔

کسی بات کی صحت پر غور کرنے کے سلسلہ میں سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ بات جہاں سے چلی ہے اس کا کردار کیسا ہے۔ یہ اصول عقلی ہے اور قرآن نے بھی اس اصول صحت کی تصدیق کی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا۔۔ (سورہ الحجرات آیت ۶/) فاسق اور بدکردار کی بات پر فوراً اعتبار نہ کرلو، پہلے اچھی طرح چھان بین کرلو جس دربار سے یہ واقعات نشر ہوئے اس دربار اور دربار کے درباریوں کا کردار کیسا تھا، وہ سورج سے زائد روشن ہے۔ کون سا جعل تھا جو چھوڑ دیا گیا۔ کون سی مکاری تھی جو رہ گئی ہو۔ کون سا فریب تھا جس پر عمل نہ کیا گیا ہو۔ اس دربار سے جو واقعات تصنیف ہو کر پھیلیں گے ان کی سچائی ظاہر ہے۔

ہمارے محلہ میں ایک صاحب رہتے تھے، پڑھے لکھے، عبادت گزار، دیندار، اتفاق سے ان کی اولاد ایسی تھی جس میں زبٹیں اڑانے میں ایک سے ایک آگے تھا۔ ہمارے ہی محلہ کے ایک دوسرے بزرگ خدا انہیں جنت نصیب کرے، کہا کرتے تھے!۔۔۔۔صاحب کی اولادوں کی بات نہ کرو۔ ان لوگوں نے تو آج تک ولدیت کے علاوہ کبھی کوئی بات سچ بتائی ہی نہیں'' اس لئے پورے محلہ کا دستور تھا کہ ان میں سے کسی کے بھی بیان کئے ہوئے قسمیہ واقعات کو ہمیشہ خندہ زیرلب ہی کے ساتھ سنا تا تھا۔ لیکن جہاں سے افسانۂ بیگمات حسنؑ چلا ہے، مشکل یہ ہے کہ وہاں تو ولدیت بھی صحیح نہیں بتائی جاسکتی تھی۔ اس لئے صاحبان عقل و خرد اس دربار سے چلی ہوئی روایات کو ہمیشہ اس کی شایان شان جا کر، کسی گٹر میں ڈال دیا کرتے ہیں۔

عباسی دور کے مشہور عربی شاعر متنبی نے کیا خوب کہا ہے:

واذا تاك مذمتی من ناقص
فهو الشهادة لی بانی...کاملُ

میری برائی کسی ناقص انسان سے سننا تو اسے میرے کمال کی دلیل سمجھ لینا۔

فاسق وفاجر اموی حاشیہ نشینوں کی حسنؑ دشمنی درحقیقت عصمت حسنؑ کی ایک بڑی دلیل ہے۔

آیئے اب ذرا کثرت ازواج حسنؑ کے بارے میں روایات کے متنوں (Texts) کا خلاصہ پیش کر کے خوداس متن کا پوسٹ مارٹم کیا جائے۔

روایتوں کا خلاصہ

''راویان صدق گفتار ومورخین حقیقت شعار کا بیان ہے کہ حسنؑ بن علیؑ نے بہت کثرت سے شادیاں فرمائیں۔ سنا جاتا ہے کہ امام حسنؑ کی سیکڑوں بیویاں ہوئیں۔ بعض لوگ تو امام موصوف کی بیویوں کی تعداد ہزار سے بھی زائد قرار دیتے ہیں۔''

بیویوں کی یہ فوج ظفر موج کہاں سے نکل پڑی، اسے بھی سن لیجئے، یہ پر کا کوّا اور پھانس کا بانس بنا ہے اس وجہ سے کہ حضرت علیؑ نے اپنے فرزند حسنؑ کے حق میں ـــ کہا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا تھا کہ میرا یہ بچہ ''مطلاق'' ہے۔ مطلاق ہے، یعنی بہ کثرت طلاق دینے والا ہے۔ یہ بات کس پس منظر میں کہی گئی ہوگی (اگر واقعی کہی بھی گئی ہوگی) اس میں قدرے آگے چل کر روشنی ڈالوں گا۔ اور اس کا مفہوم کیا ہے، یہ آگے بتاؤں گا، فی الحال اس وقت صرف اتنا ملاحظہ فرمالیں کہ ''حسنؑ مطلاق ہے'' اس کمزور، ناتواں بنیاد پر افسانوں کے محل اور کہانیوں کے قلعہ تعمیر کر لئے گئے اور وہ سب کہا جانے لگا جس کا خلاصہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا۔

ایسے حضرات جو ''باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی'' کو پیش نظر رکھے ہوئے تھے انہوں نے از راہ ہمدردی و عنایت اس کثرت ازواج کی وجہ وجیہ بھی تلاش کر ڈالی۔ فرمایا کہ ''شادیوں کی اس کثرت میں امام حسنؑ کی کوئی غلطی نہ تھی، وہ مجبور تھے۔ دراصل بات یہ تھی کہ حسنؑ رسولؐ کے نواسے تھے اور لوگ خود ہی امام حسنؑ کی خدمت میں اپنی صاحبزادیوں کو پیش کرتے تھے کہ اس بہانہ رسولؐ سے رشتہ داری کا شرف حاصل ہو جائے گا۔

عجیب تاویل ہے یہ! اگر بات یہی کہ صرف حسنؑ ہی تو نواسہ رسولؐ نہ تھے، حسینؑ بھی تو تھے تو صرف حسنؑ ہی پر اتنا لوڈ کیوں ڈالا جارہا تھا۔ آخر حسینؑ کی خدمت میں صاحبزادیاں کیوں نہ پیش کی گئیں؟ حیرت کی بات ہے، کبھی تو رشتہ کی اہمیت سے یک دم انکار کر دیا جاتا ہے کبھی رشتہ کی اہمیت قرار پاتی ہے۔ ممکن ہے اس تضاد کی صورت جمع یہ قرار دی گئی ہو کہ رشتوں میں صرف انہی رشتوں کی اہمیت ہو جو ''س'' سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً ساس، ''سسر'' ''سالی'' سلج، ساڑھو، سمدھن، سمدھی اور ان رشتوں کی کوئی اہمیت نہ ہو جن کی ابتداء ''با'' بسم اللہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً باپ، بیٹا، بھائی، بہن، بھتیجہ وغیرہ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں یہ دلیلیں متضاد بات نہیں ہے۔ ماشاء اللہ تاریخ اسلام ایسی متضاد (Self Contradictory) باتوں سے مالا مال ہے۔

چنانچہ رسولؐ کی وفات کے بعد ایک محترم نے ارشاد فرمایا ''علیؑ کو خلافت اس لئے نہیں مل سکتی کہ مناسب نہیں ہے کہ خلافت ونبوت ایک ہی خاندان میں جمع ہو'' جی بالکل بجا، خواہ تاریخ میں خلافت ونبوت ہمیشہ ایک ہی خاندان میں کیوں نہ رہی ہو مگر یہی بزرگوار جب دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو غالباً سکرات موت کی شدت میں اگلے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو ۴ عدد صحابہ کرام پر جو شوریٰ کمیٹی بلائی گئی اس میں بھولے سے حضرت علیؑ کو بھی شامل فرمالیا۔ اس شوریٰ میں خلافت پہلے تو حضرت علیؑ کو پیش کی گئی تھی وہ تو کہیئے کہ اس پیشکش میں ایک ایسی شرط بھی تھی جو حضرت علیؑ کو منظور نہ ہوئی اس لئے بڑی خیریت یہ ہوئی کہ حضرت علیؑ نے اس پر ٹھوکر ماردی، اور اگر خدانخواستہ حضرت علیؑ خلافت قبول کر لیتے تو غضب ہو جاتا۔ جنھوں نے حضرت علیؑ کو خاندان نبوت سے ہونے کے سبب خلافت سے ہمیشہ کے لئے Debay کر دیا تھا خود ان ہی محترم کے بنائے ہوئے نظام کے تحت خلافت حضرت علیؑ کو مل جاتی۔ کل تک نبوت وخلافت ایک خاندان میں جمع نہ ہو سکتی تھی آج خود ہی شوریٰ میں حضرت علیؑ کو

شامل کر کے اپنے بنائے ہوئے اصول کو توڑ دیا گیا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ تضاد۔

یہی محترم بزرگ جب سقیفہ میں تشریف لے گئے بعد وفات رسولؐ تو انصار کے دعوائے خلافت کے مقابلہ میں ارشاد فرمایا کہ "تم خلیفہ نہیں ہوسکتے اس لئے کہ رسولؐ فرما گئے ہیں کہ خلیفہ صرف قریش سے ہوسکتا ہے، تم عرب ہو مگر قبیلہ قریش سے نہیں، اس لئے تم میں سے کوئی شخص خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا۔ انصار کیا کرتے، خاموش ہو گئے فرمان رسالت کے سامنے مگر زندگی کی آخری سانسوں میں غالباً مرض ہی کی شدت کے سبب ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا کہ "کاش حذیفہ کا غلام سالم موجود ہوتا تو اس سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت نہ تھا، میں بے جھجک اسے مسلمانوں کا خلیفہ بنا دیتا۔"

کل ارشاد فرمایا تھا انصار سے کہ "تم قریش نہیں اس لئے خلیفہ نہیں ہوسکتے۔ رسولؐ فرما گئے ہیں کہ خلیفہ صرف قریش سے ہوسکتا ہے" آج اسے خلیفہ بنانے پر تیار تھے جو قریش سے کیا عرب بھی نہ تھا ہٹایئے ان باتوں کو جانے دیجئے، ایسی باتوں پر غور کرنے سے خواہ مخواہ ایمان خراب ہوتا ہے!!"

بہر حال اس سخن گسترانہ بات کو جانے دیں، آیئے پلٹ چلیں اس وجہ وجیہ کی طرف۔ ارشاد فرمایا کہ لوگ امام حسنؑ کے توسط سے رسولؐ سے شرافت قرابت حاصل کرنا چاہتے تھے اس لئے اپنی لڑکیوں کی شادی امام حسنؑ کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔

ذلت ورسوائی کی بات چھپائی جاتی ہے مگر شرف وفضیلت کو تو ہانکے پکارے ڈھول بجا بجا کر نشر کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ امام حسنؑ کے توسط سے جس کا بھی رشتہ رسولؐ کریم سے قائم ہوتا ہوگا وہ زندگی بھر اس رشتہ کو فخر ومباہات کے ساتھ بیان کرتا رہتا ہوگا، اپنی بیٹی کا نام بتاتا ہوگا، عمر بتاتا ہوگا، تاریخ عقد بتاتا ہوگا، ساتھ رہنے کی مدت بتاتا ہوگا، چھپائی جانے والی باتیں مورخ اور ماہرین نسب سے چھپ سکتی تھیں۔ حسنؑ کی مقدس، شرف یافتہ بیویاں مورخ اور ماہرین نسب کی نظروں سے پوشید رہ سکتی تھیں۔ عرب میں حفاظت نسب کا اہتمام ہوتا تھا اور اس پر بے انتہا فخر کیا جاتا تھا اس لئے مورخین اور ماہرین نسب کی نظروں سے نہ یہ بیویاں چھپ سکتی تھیں نہ امام حسنؑ کے توسط سے قائم ہونے والے یہ ہزاروں سمدھیاں، مگر میں نے ان سمدھیانوں اور بیویوں کی تاریخ کے صفحات پر جستجو کی تو ہزار جتن کے بعد بھی نو سے زائد بیویوں کے نام نہ مل سکے۔ نو تو خیر معلوم ہو گئے مگر بقیہ لشکر بیویوں کا کدھر کھو گیا تاریخ اس بارے میں بالکل خاموش ہے۔ جو پس منظر بتایا گیا ہے اس کی روشنی میں تاریخ کے صفحات میں ۹ کے سوا کسی اور بیوی کا نام، حسب، نسب وغیرہ کا نہ ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ شادیوں کا یہ ہلڑ افسانہ سے زائد حیثیت نہیں رکھتا۔ خدا کا شکر ہے کہ اموی خوشامدیوں نے امام حسنؑ کی بیویوں کی تعداد تو گڑھ لی مگر خدا کا شکر ہے کہ نام پتے وغیرہ گڑھنا بھول گئے ورنہ حقیقتاً بڑی دشواری ہو جاتی۔

چھوٹی عزت کا مالک ہوشیار اور چالاک انسان اپنے مخالف کی تنقید سے سر عام ذلیل ہوتا جا رہا ہو تو وہ جواب میں اپنے مخالف کی ادنیٰ سے ادنیٰ کمزوری بھی نمک مرچ لگا لگا کر بیان کئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ اصول یاد رکھیئے اور تاریخ کے صفحات میں اس واقعہ کو ملاحظہ فرمایئے۔

امیر شام اور امام حسنؑ میں صلح ہو چکی۔ اب ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امیر شام کا دربار سجا ہوا ہے۔ زریں کمر غلام، گنگا جمنی کرسیاں، اطلس وکم خواب کے پردے سب ہی کچھ ہے۔ اور بادشاہ تخت حکومت پر ہے اور دربار پر مغرورانہ نظر ڈالتے ہوئے امام حسنؑ سے کہتا ہے "حسن! میری قدرت دیکھو، لشکر دیکھو حکومت دیکھو لوگوں کا میری ڈیوڑھی پر اژدھام دیکھو لوگوں نے مجھے حاکم بنالیا، تم کو چھوڑ دیا۔ اب تو تسلیم کرو کہ! انا خیر منک میں تم سے بہتر ہوں" امام نے جواب دیا جس پر بلاغت قربان، فصاحت نثار فرماتے ہیں۔

"معاذالله ان اقول انا خير منك معاويه خدا کی پناہ

اگر میں یہ منہ سے بھی نکالوں میں تم سے بہتر'' اس بات پر امیر شام کی شادمانی شروع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ امام نے فرمایا کہ ''معاویہ منھ سے ہرگز نہ کہوں گا کہ میں تجھ سے بہتر اس لئے کہ ایک شئے دوسری شئے کے مقابلہ میں بہتر وہاں کہی جاتی ہے جہاں دونوں چیزیں ایک ہی جنس کی ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میری تیری جنسوں میں فرق ہے۔ سن لے کہ جس طرح خدا نے تیرے دامن کو ہر اچھائی سے بچایا ہے یونہی میرے دامن کو ہر برائی سے بچایا ہے۔ تم میں ایک بھی اچھائی نہیں، مجھ میں ایک بھی برائی نہیں تو میرا تیرا مقابلہ غلط ہے۔

وارث آیۂ تطہیر نے بھرے دربار میں امیر شام کو چیلنج کیا تھا کہ تو ہر اچھائی سے دور اور میں ہر برائی سے پاک ہوں۔ مخالف کے سامنے اپنی تعریف بیان کرنا مشکل ہوتا ہے مگر مخالف پر تنقید تو بہت آسان ہوا کرتی ہے۔ امیر شام کچھ نہیں کہہ سکتا تھا یہ تو کہہ سکتا تھا کہ آپ (معاذ اللہ) عیاش ہیں، روز شادی کرتے ہیں، روز طلاق دیتے ہیں، یہی کیا کم عیب ہے۔ مگر امام حسنؑ کے کھلے ہوئے چیلنج کے مقابلہ میں امیر شام کا خاموش رہ جانا در حقیقت امام کے لئے گواہ صفائی کی حیثیت رکھتا ہے۔

آیئے اب شریعت محمدی کی روشنی میں، خالص فقہی طریقہ سے اس الزام کی جانچ کر لی جائے۔

ہماری شریعت کے لحاظ سے ایک وقت میں ایک مرد زائد سے زائد چار نکاحی بیویاں رکھ سکتا ہے۔ اس میں وقت یا فاصلہ کی کوئی قید نہیں، آپ چار دن میں بھی چار شادیاں کر سکتے ہیں، بلکہ ایک ہی دن میں چار نکاح کر سکتے ہیں مگر اب پانچویں بیوی اس وقت تک گھر میں نہیں آسکتی جب تک سابقہ چار میں سے ایک کو طلاق نہ دے دی جائے۔ مگر چار میں سے ایک کو طلاق دے دینے کے باوجود بھی اب آپ پانچویں شادی اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک اس طلاق کو تین ماہ دس دن نہ گذر جائیں۔ یہ نہ سوچ لیجئے گا کہ اسلام میں مرد پر بھی طلاق کے بعد عدۃ واجب ہوجاتی ہے۔ عدت تو صرف عورت ہی پر واجب ہوتی ہے مگر شریعت کے ایک دوسرے اصول کی بنا پر مرد مذکور پر یہ پابندی لگنے کے اس اصول کو سمجھ لیجئے تو بات آپ کی بھی سمجھ میں آجائے گی۔

بات یہ ہے کہ طلاق کے بعد بھی تین ماہ دس دن تک زوجہ زوجہ نہ رہتے ہوئے بھی حکم زوجہ میں رہتی ہے۔ یعنی طلاق کے بعد بھی ایام عدت تک بیوی ایک طرح سے بیوی ہی رہتی ہے، اس کا روٹی کپڑا شوہر پر واجب رہتا ہے۔ شوہر اگر چاہے تو اس مدت میں بغیر دوبارہ صیغۂ نکاح پڑھوائے اس عورت سے زن وشو کے تعلقات استوار کر سکتا ہے، اور یہ عورت پھر اس کی بیوی شمار ہونے لگے گی اور طلاق خود بخود باطل ہوجائے گی۔ جب تک تین ماہ دس دن کی یہ عدت پوری نہ ہوجائے یہ عورت کسی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ مختصر یہ کہ طلاق یافتہ عورت کو طلاق پانے کے تین ماہ دس دن بعد تک ایک طرح سے زوجہ ہی مانا جاتا ہے۔ اسی کو شریعت کی زبان میں کہا جاتا ہے کہ طلاق یافتہ عورت ایام عدت میں حکم زوجہ میں رہتی ہے۔

اب بات واضح ہوگئی ہوگی کہ چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دینے کے باوجود پانچویں شادی اس وقت تک کیوں نہیں کر سکتا جب تک اس طلاق کو تین ماہ دس دن نہ گذر جائیں۔

جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان چار شادیاں تو چار دن میں کر سکتا ہے مگر اس کے بعد ہر شادی کے لئے اوسطاً ساڑھے تین ماہ کا وقفہ درکار ہوگا۔ یعنی حساب یہ ہوگا کہ چار شادیاں چار دن میں، مگر پانچویں ساڑھے تین ماہ بعد، چھٹی شادی ۷ ماہ بعد، ساتویں شادی ساڑھے دس ماہ بعد، آٹھویں شادی ایک سال ایک ماہ بعد، اس حساب سے ۵۰۰/ شادیاں کرنے کے لئے ۱۶۵/ سال، ۷۰۰/ شادیاں کرنے کے لئے تقریباً ۲۳۰/ سال اور ایک ہزار شادیاں کرنے کے لئے تقریباً ۳۳۰/ سال درکار ہوں گے۔

زیر بحث معاذ اللہ جناب خضر کی بیویاں نہیں ہیں، امام حسنؑ کی بیویاں ہیں، جن کا پہلا عقد ۲۲/ سال کی عمر میں ہوا تھا

اور شہادت زائد سے زائد ۴۷ رسال کی عمر میں ۔ خدارا کوئی بتائے کہ ۲۵ رسال میں وہ کام ممکن ہی کیسے ہوا جس کے لئے سیکڑوں برس درکار تھے۔

اب رہ گئی مطلاق والی بات یعنی علیؑ کا یہ ارشاد کہ حسنؑ میرا فرزند بہت کثرت سے طلاقیں دے گا تو عرض ہے کہ جملے اپنے مفاہیم کی طرف اس وقت تک رہنمائی نہیں کر سکتے جب تک ان کا پس منظر نہ معلوم ہو۔ رسولؐ اور رسولؐ کے اہل بیتؑ کے نزدیک سب سے اہم دین کے اصول ہوتے تھے یہ اس مسئلہ میں کسی کی مروت نہ فرماتے تھے۔ حضورؐ کی مشہور حدیث ہے جو شیعہ سنی دونوں میں مسلم ہے کہ اگر (معاذ اللہ) میری بیٹی فاطمہؑ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے گا طلاق اسلام میں ایک غیر پسندیدہ شئے ہے ۔ اگر کثرت طلاق کا سبب (معاذ اللہ) امام کی عیاشی ہوتی تو علیؑ اس پر سرزنش ضرور کرتے یا کم از کم تنقیدانہ انداز میں یہ بات فرماتے۔ جبکہ ارشاد میں دور دور ایسی کوئی بات نہیں دکھائی دیتی۔ آپ کے پیش نظر معاذ اللہ عیاشی کے فرضی افسانے ہیں اس لئے آپ اس ارشاد کو اسی پر منطبق کر رہے ہیں ۔ میرے کانوں میں امام حسنؑ کے وہ جملے گونج رہے ہیں جو آپ نے شہادت سے تھوڑی دیر قبل اس وقت ارشاد فرمائے تھے جب امام حسینؑ یہ خبر سن کر حسنؑ کے گھر میں آئے تھے کہ بھائی کو زہر دے دیا گیا ہے۔ زہر کے اثر سے امام حسنؑ کا جسم سبز ہو چکا تھا۔ بھائی نے بھائی کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیا ہوا؟ تو امام حسنؑ نے جواب دیا تھا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔ مجھے اس سے پہلے بھی چھ مرتبہ زہر دیا گیا مگر ہر مرتبہ میں نے روضہ رسولؐ پر جا کر دعا کی اور خدا نے مجھے شفا دیدی، لیکن اب اللہ کی مشیت جاری ہو چکی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ آخری مرتبہ زہر جعدہ بنت اشعث کندی نے دیا تھا جو امام حسنؑ کے نکاح میں تھی۔ امیر شام نے جعدہ کو نقد زبردست انعام کے علاوہ یزید کے ساتھ شادی کرا دینے کی لالچ بھی دی تھی۔ اغلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زہر بیوی کو سازش میں پھانس کر دلوایا گیا اسی طرح دیگر بیویوں کے ذریعہ بھی زہر دلوانے کی کوششیں ہوتی ہوں گی۔

یعنی امام حسنؑ جس کو بھی حیات کا شریک بنا کر لاتے تھے اسے وفات میں شریک بنا دیا جاتا تھا اور امام مجبوراً اسے طلاق دے دیا کرتے تھے۔ بیوی گھر میں رکھی جا سکتی تھی مگر آستین میں سانپ نہ پالا جا سکتا تھا۔ ان نتائج کے سامنے آنے کے بعد واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا تھی اور افسانہ کیا؟

[ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ، سبط اکبر نمبر، جون و جولائی ۱۹۸۳ء]

❁❁❁

شانِ عزا

جناب سید محمد اطہر صاحب زائرؔ سیتاپوری

دل سوگوارِ سیدِ ذیشاں بنایئے
سینے کو اپنے گنجِ شہیداں بنایئے

بیکار کیجئے نہ شہادت حسینؑ کی
اپنے کو، اپنی قوم کو انساں بنایئے

پیشِ نظر ہو فلسفۂ ذکرِ کربلا
اس طرح سے امامؑ کو مہماں بنایئے

سوگِ شہید اور یہ رسم ورواج حیف
سبط نبیؐ کی شان کے شایاں بنایئے

کچھ سوچئے جہان میں مولا نے کیا کیا
اپنی حیات کا اسے عنواں بنایئے

شانِ عزا دکھایئے زائرؔ جہان کو
داغِ جگر کو مہرِ درخشاں بنایئے

❁❁❁